اکبری دور شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی نگارشات کے آئینہ میں

محمد سلیم اختر

اکبر کے لت لئے مذھبی تجربات اور اسلامی عقائد و تعلیمات کے بارے میں اس کے بدلتے ہوئے نظریات نے دربار میں بلکہ سارے ملک کے اسلام دوست حلقوں میں بے چینی کی فضا پیدا کردی(۱) قطب الدین محمد خاں، شہباز خاں اور دوسرے امراء نے بادشاہ کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکے بلکہ الٹے معتوب ہوگئے۔ بادشاہ نے متنبہ کیا کہ اگر آپ لوگوں نے اپنی زبانیں بند نہ کیں تو:

میفرمائیم که کفشهای پر نجاست بردهنهای شما بزلند(۲)

بعض لوگوں نے اکبر کو ھٹا کر اس کی جگہ اس کے بھائی محمد حکیم میرزا کو بادشاہ بنانے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام ہوئے اور صورت حال اور بھی بگڑ گئی۔(۳)

اکبر کی حکمت عملیوں کا دربار سے باھر کے حلقوں میں جو رد عمل ہوا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ھے کہ جونپور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے اس کے خلاف بغاوت اور جہاد کا فتوی دے دیا۔

فتوی بوجوب خروج و بفحابر بادشاہ داد (۴)

---

(۱) Dunbar, Sir George : A History of India From the Earliest Times to the Present Day , London, 1943, Vol. I, p. 192. Also see p. 191.

(۲) منتخب التواریخ بدایونی، کلکتہ، جلد ۲، ص ۲۷۳۔

(۳) A History of Iudia, p. 192.

(۴) منتخب التواریخ بدایونی، ج ۲ ص ۲۷۳-۲۷۵۔

اور محمد معصوم کابلی، محمد معصوم فرنخودی، میر معز الملک، نیابت خان اور عرب بہادر سر پر کفن باندھ کر اور ہاتھوں میں تلواریں لے کر میدان میں کود پڑے۔

تیغ ہا کشیدہ مرجا . . . جنگہای عظیم کردند(٥)

بادشاہ کو اطلاع ملی تو اس نے میر معزالملک اور ملا محمد یزدی کو کسی بہانے سے جونپور سے طلب کیا۔ جب آگرہ سے چند میل کے فاصلے پر فیروزآباد کے مقام پر پہنچے تو حکم بھیجا کہ ان کو سواروں سے الگ کرکے کشتی میں سوار کرکے دریائے جون کے راستے گوالیار لے جایا جائے۔ اس کے بعد ایک اور حکم ارسال کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ـــ

اینہارا ضایع سازند(٦)

چنانچہ دونوں کو ایک پرانی کشتی میں بیٹھا کر گرداب فنا کے سپرد کردیا گیا۔ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ بنگال سے قاضی یعقوب کو طلب کرکے اس کا بھی یہی حشر کیا گیا۔ بدایونی کا بیان ہے :

یکان یکان را از ملایان کہ ازو توہم بی اخلاصی داشتند، در نہانخانۂ عدم میفرستادند(٧) علمائے لاہور کو بھی لاہور میں نہ رہنے دیا گیا بلکہ دور دراز علاقوں میں منتشر کر دیا گیا : قاضی صدرالدین لاہوری، جونپور، ملا محمد معصوم بہار اور شیخ منور مالوہ بھیجدئیے گئے (٨)

ان حالات میں عقلمندی اور حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ بادشاہ کے خلاف علی الاعلان لب کشائی کرکے جان کا داؤ لگانے کے بجائے ایسے اسباب اور

---

(٥) منتخب التواریخ بدایونی، ج ٢ ص ٢٧٦ - ٢٧٥ -
(٦) ایضاً۔
(٧) ایضاً۔
(٨) ایضاً۔

وسائل فراہم کئے جائیں جن سے الحادلا و بددینی کے سوتوں اور سر چشموں کو نیست و نابود کرنے میں مدد ملے۔ حضرت شیخ عبدالحق دھلوی محدث نے بھی موخرالذکر راستہ اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں آپ نے جو روش اتخاذ کی اسے بطور عمومی چار شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

الف : بادشاہ وقت، امرائے دربار اورعلماء و مشائخ معاصر سے رابطہ قائم کرکے یا خط و کتابت کے ذریعے ان کو اپنا ھمخیال بنانے کی کوشش کی اور اسلام کو درپیش مسائل سے ان کو آگاہ کیا۔

ب : ھندوستان میں اسلام کی اشاعت و ترویج اور حفظ و بقا کے لئے مختلف موضوعات پر تصانیف و توالیف کا ایک گرانقدر ذخیرہ فراہم کیا۔

ج۔ اپنی اولاد کی تربیت اس نہج پر کی کہ بعد میں ان کی صحیح امین اور وارث بن سکے۔

د۔ ھندوستان بھر میں بنگال سے لے کر کشمیر تک اور دھلی سے لے کر گجرات و جونپور تک شاگردوں کا ایک ایسا جال بچھا دیا جس نے علم شریف حدیث اور دیگر اسلامی علوم کی اشاعت کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ آپ کی قائم کردہ شاندار روایات ھی کی پاسداری کی بلکہ انہیں ھندوستان سے باھر بھی وسعت دینے کی کوشش کی۔ (۹)

ان شقوں پر بالاجمال بھی اگر روشنی ڈالی جائے تو ھر شق ایک خاص مقام کی جائز اور ایک جداگانہ مقال کی متقاضی ہے۔

اکبری دور میں شیخ محدث جس ذھنی کرب و ابتلا سے دوچار تھے اور آپ کے احساسات کی جو کیفیت تھی اس کا اندازہ لگانے کے لئے ان کی اس زمانے

---

(۹) حضرت محدث کے شاگردوں کے لئے ملاحظہ ھو راقم کا مقالہ۔ شیخ عبدالحق محدث دھلوی : سلسلہ تلامذہ در اورینٹیل کالج میگزین (پنجاب یونیورسٹی)، جلد ۴۸، شمارہ مسلسل ۱۸۸-۱۸۹، ص ۳۰۹-۳۵۱۔

کی نگارشات پر ایک طائرانہ نظر ھی کافی ھے، آپ کی احتیاط پیشہ طبیعت کی تجلیات ان تحریروں میں جگہ جگہ منعکس ھوئی ھیں، منا جات میں فرماتے ھیں :

''خداوندا ! نیکان رفتند و مردان گذشتند و زمانہ رسیدہ کہ دردی نیک بودن دشوار بلکہ تصور نیکی ھم محال، اما اگر تو تقویت کنی و تائید نمائی آسانست۔ الٰھی اگر چندی از افراد اخیار باقی ماندہ باشند ایشان را نگہ دار، برای تخم نیکی وازان نیکی فروع و ثمرات پیدا آر، امید ھارا شاخ درشاخ کن و دلھارا باغ باغ ساز۔(۱۰)

اسی طرح ایک قصیدے میں فرماتے ھیں :

جہان تاریک شداز ظلمت ظلم سیہ کاران
بیا و عالمی را روشن از نور تجلی کن
زبان کاران ببازار ھوا سودای زر دارند
شکست رونق و گرمی این بازار و سودا کن
ھمہ بی ھمتان دھر بخل آئین خود کردند
بلطف اسعان مبین از کرم احیای محیا کن
ز ظلم ظالمان شور است و غوغا ھر طرف آخر
بعدل درآفت خود برطرف این شور و غوغا کن
بسنگ سیم و زر جاھل گران بارست از عالم
بمیزان عدالت قدر ھر یک را ھویدا کن
بصدیق صداقت پیشہ فرما تا قدوم آرد
طریق صدق و آئین وفا را باز پیدا کن
عمر را باز بنشان بر سریر معدلت آئین
بدین آئین میان خلق رسم عدل احیا کن

---

(۱۰) اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، شیخ عبدالحق محدث دھلوی، دھلی، ۱۳۰۹ھ، ص ۳۶۶-۳۶۹۔

همه کس راست از عجب و تکبر دعوی الدرسر
از سر بفرست عثمان را وقطع امر شورا کن
بدفع حیله' این روبهان بفرست شیر حق
بفرمایش که تیغ باغیان و قمع اعدا کن
بزور بازوی خیبر گشا بنیاد جهل افکن
رواج و رونق بازار علم و کار تقوی کن
وگر نائی تو بایاران بظلم آباد این دنیا
بدفع ظالمان حکم نیابت را بعیسی کن
بهر صورت که باشند یا رسول الله کرم فرما
بلطف خود سرو سامان جمع بے سروپا کن (۱۱)

یہ قصیدہ اگرچہ حجاز مقدس کو روانگی سے بہت پہلے کہا گیا تھا لیکن جب مدینہ منورہ میں آستانہ نبوی پر حاضری کی سعادت ملی تو آپ نے اسے وہاں بھی پڑھ کر سنایا قصیدہ کا ایک ایک لفظ آپ کے دل مستمند کی فریاد اور ہر شعر حقائق کا نمایندہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد عہد اکبری کے حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس زمانے میں دارالحکومت آگرہ تھا لیکن علم و اصحاب علم کا مرکز ہمیشہ دھلی مرحوم ھی رھی علی الخصوص وہ علماء حق جو بادشاہ کے تعلقات کی ابتداؤں (ابتلاؤں ؟) سے بچنا چاھتے تھے اور حرص و طمع دنیا کی آلودگی سے پاک دامن تھے اس گوشۂ علم کے سکون کو دارالحکومت کے شور و غوغا پر ترجیح دیتے تھے، حضرت شاہ عبدالحق جو اسی عہد میں تھے فرماتے ھیں :

حقی از گوشه' دهلی نه نهم پا بیرون
خود گرفتیم که ملک گجراتم دادند، (۱۲)

(۱۱) اخبار الاخیار فی اسرار الابرار۔
(۱۲) تذکرہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مرتبہ فضل الدین احمد مرزا، (مهری لائبریری) لاهور، ۱۹۶۳، ص ۲۸۔

اپنے والد ماجد کی وفات (۹۹۰ھ) کے بعد ایک دفع حضرت محدث کا آگرے جانا ہوا، وہاں آپ کو کس قسم کے حالات پیش آئے، یہ آپ ہی کی زبانی سننے کے قابل ہے :

یا سیدی ! میں ایک ایسا شخص ہوں کہ بچپن ہی سے حصول علم اور عبادت گذاری کی محنت و ریاضت میں پلا ہوں، میں کبھی عوام الناس کی صحبت و اختلاط اور ان سے میل جول کو خاطر میں نہیں لایا اور جب اللہ کے فضل سے مجھے اس کا اچھا خاصا حصہ مل گیا تو بعض اہل حقوق نے مجھے دنیا کی طرف بلایا، پس میں سلطان وقت اور اس کے امراء کے پاس گیا، انہوں نے میری طرف بڑی توجہ دی ،میرا رتبہ بلند کیا اور ارادہ کیا کہ میرے ذریعے اپنی جماعت بڑھائیں اور مجھ سے اپنی طاقت میں اضافہ کریں، پس اللہ تعالیٰ نے مجھے محفوظ رکھا اور ان کے ساتھ مجھے نہ چھوڑا، اپنے بندے کے دل میں ایک جذبہ پیدا کیا جس نے اس مقام شریف تک مجھے پہنچایا(۱۳)

یہ حجاز مقدس کے کسی بزرگ کے نام آپ کے ایک خط کا اقتباس تھا آئیے اب دیکھیں کہ آپ کی حج کو روانگی کن حالات میں ہوئی اور اس سلسلہ میں آپ کے معاصر ملا بدایونی کا کیا بیان ہے، بدایونی لکھتا ہے :

"چوں وضع زمانہ و زمانیان ہمہ مخل و برمکارۂ طبیعی مشتمل است دیگر گون شد و بر او صناع ۔ آشنایان اعتماد نماند صحبت فلانی و فلانی باور است نیامد و توفیق رفتن بکعبہ شریف رفیق او شد ۔۔۔ در جہاز نشستہ بسفر حجاز رفت ۔ (۱۴)

ہندوستان کے غبار آلود ماحول سے نکل کر آپ نے سکھ کا سانس لیا، جذب القلوب الی دیار المحبوب کے مقدمے میں لکھتے ہیں :

---

(۱۳) ارسال المکاتیب والرسائل (خطی) مملوکہ جناب پروفیسر سید وزیر الحسن عابدی، پنجاب یونیورسٹی۔

(۱۴) منتخب التواریخ بدایونی، کلکتہ ۱۸۶۹، ج ۳، ص ۱۱۳ -

"و آنچه الان مشهور وقت و منظور حال میگردد نعمتی چند است که لطف عام حضرت ذوالجلال والاکرام این بی کس و بی سر انجام را بدان مخصوص گرداینده، اول نجات از طغیان ابتلای نفس و طوفان اغوای شیطان که اگر صد نوح، سزار سفینهٔ حیله و تدبیر دران دریای بی کران ما انداخت تارریاح رحمت کریم فتاح از مهب عصمت و انجاح دستیاری نمی نمود، وصول و نزول بساحل نجاح و منزل فلاح تا ابد الاباد متصور نبود"(۱۰)

آگے چل کر لکھتے ھیں :

اینجا بیا که مهبط اسرار ایز دیست
اینجا بیا که مشرق نور محمدیست
اینجا بیا که نور یقین جلوه میکند
خوشوقت آنکسی که باین نور مهتدیست
اینجا نزول مائدهٔ عیش دائمی است
اینجا وصول فائده فیض سر مدیست
ای در حجاب ظلمت شک اینطرف بیا
تا بنگری که دین، دین احمدی ست ۱۰

حجاز مقدس کو روانگی سے قبل آپ نے اپنے لئے جو لائحہ عمل مرتب کیا تھا، وھاں سے واپسی پر اسی پر عمل پیرا رھے، اور اپنے علمی و تحقیقی معمولات میں کوئی فرق نہیں آنے دیا۔

اکبر کی وفات اور جہانگیر کی تخت نشینی کے موقع پر آپ نے رکن السلطنت نواب مرتضی خان شیخ فرید کو جو خط لکھا وہ تنبیہ الغافلین بفناء

(۱۰) جذب القلوب الی دیار المحبوب (خطی) کتاب خانہ اسلامیہ کالج، پشاور یونیورسٹی۔

ء اربها و اغترار الجاهلین بزخارف فیها و اسبابها(۱٦) — کے عنوان سے آپ
مکتوبات کے مجموعے المکاتیب والرسائل میں موجود ہے۔ منشی برکت علی
نے آپ کی پہلی سوانحعمری — مرآة الحقائق — مرتب کی، کا بیان ہے کہ
الرحمن نے یہ خط نواب مرتضی خان کو نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ
لہی و اطلاع،، کے لئے رقم کیا تھا، (۱۷) خط میں اگرچہ کسی شخصیت
صراحت سے مذکور نہیں لیکن جو اشارے اور کنائے اس میں بین السطور
ھیں ان کے پیش نظر اس کو بجا طور پر ایک تاریخی دستاویز قرار دیا
ا ہے، خط کا ترجمہ پیش خدمت ہے :

لااله الا الله محمد رسول الله

سبحان الملک الحی الذی لایموت و لا یفوت

اس عظیم واقعے کے ظہور کے باعث خلقت کے دلوں پر محنت و کدورت
غبار بیٹھ گیا ہے اور اس حادثے کے اچانک وقوع پذیر ہوجانے سے جو
و وحشت پیدا ہوگئی ہے وہ تحریر و تقریر میں نہیں لائی جاسکتی، کیا کیا
سنت الہی اسی طرح جاری ہے اور رہے گی، کیا بادشاہ اور کیا فقیر سب
، راستے سے گزرنا ہے ؛

ہر کہ آمد بجہان اهل فنا خواهد بود
وانکه پاینده و باقیست خدا خواهدبود

الله تعالیٰ اس آسمان ایسی شان والے بلند اقبال اور جوان بخت بادشاہ
، جلاله و خلد فی مراضیه فلکه و اقباله کے طفیل خاص و عام تمام مخلوق،
ا اهل اسلام کو امن و امان اور عدل و احسان کے سائے میں رکھے
ام آفتوں اور برائیوں سے بچائے، اللهم اصلح الامام و الامة والرعیة و الف

لرسالة السابعة عشر، ارسال لمکاتیب والرسائل، (خطی)، ص ۸۵ - ۹۲ -
مراۃ لحقایق، منشی برکت علی، رامپور، ۱۳۲۳ھ، ص ٦۵ -

قلوبهم فی الخیرات، یہ دُعا عظمائے مشائخ سے مروی ہے، اسے بادوام پڑھنے سے دنیا و آخرت کی سعادتیں اور ظاہر و باطن کی راحتیں میسر آتی ہیں، اس کے علاوہ یہ دعا بھی بزرگوں سے مروی ہے: اللهم اصلح امة محمد، اللهم ارحم امة محمد، اللهم اغفر لامة محمد، بزرگوں کا قول ہے کہ اس دعا کو دوام کیساتھ پڑھنے والا قدرو منزلت کے لحاظ سے ابدال کا ہم پایہ ہوتا ہے (در مرتبہ بپایۂ ابدال نشیند) واللہ الموفق

دنیا کی بے ثباتی و ناپائیداری کے بارے میں کیا کہا جائے اور کیا لکھا جائے، بعض حکماء کا کہنا ہے: الدنیا اشبه شی بظل الغمام و نوم الاحلام یعنی دنیا بادل کے سائے کی مانند ہے جو جلدی سے گزرجاتا ہے یا شیطانی خواب کی طرح ہے جو بالغ مرد کو آتا ہے،(۱۸) پہلی تشبیہ میں دنیا کی نا پائیداری اور بے ثباتی کا اظہار ہے اور دوسری میں اس کے مال و اسباب کے قلیل اور حقیر ہونے کا بیان۔

ع گفت یا خوابیست یا بادیست یا افسانه (۱۹)

موت ایک ایسا حادثہ ہے جس کے وقوع پذیر ہونے میں کوئی شک و تردید نہیں مگر انسان اس سے غافل ہے یہ عبرت و خبرت کی آنکھیں بند کئے بستر غفلت پر اس طرح پڑا ہے گویا اسے پتا ہی نہیں کہ اس کا واسطہ کیسے سخت کام اور کتنی مشکل مہم سے پڑنے والا ہے، بزرگوں نے یقین مشکوک کی تعریف یوں کی ہے کہ انسان کسی چیز کو یقینی جاننے کے باوجود اسے شک کی نظر سے دیکھے اور لاعلمی کا گمان کرے، آخر ایسی شے کون سی

---

(۱۸) این جهان راکه بصورت قائم است گفت پیغمبر که حلم نائم است مثنوی مولوی (کتابفروشی اسلامیه) تهران، ص ۲۳۶۔

(۱۹) حال دنیا باز پرسیدم از فرزانه ای گفت خوابی است یا بادی است یاافسانه ای
گفتمش هر کس بمهر دل بزوربست‌دل گفت غول است یا دیو است یادیوانه‌ای
(ابو سعید ابو الخیر) تذکرة الشعراء دولتشاه سمرقندی بتحقیق و تصحیح، محمد عباسی، تهران، ص ۵۸۹۔

ہو سکتی ہے ؟ کہتے ہیں وہ موت ہے، سب کو معلوم ہے کہ موت اٹل ہے لیکن اس کے باوجود زندگی اس طرح بسر کرتے ہیں گویا جانتے ہی نہیں، سبحان اللہ ! یہ کیا قدرت ہے اور یہ کیسا پردہ ہے کہ انسان کے چہرے پر ڈال دیا گیا ہے ، انسان فریب و غفلت کا شکار ہے اور اس کی مثال، شیر سے جان بچا کر بھاگنے والے شخص کی سی ہے '

کہتے ہیں کسی جنگل میں ایک شخص کے پیچھے شیر لگ گیا، وہ شخص جان بچانے کے لئے شیر کے آگے آگے بھاگنے لگا، جب تھک کر چور ہوگیا اور مزید تگ و دو کی تاب نہ رہی تو اضطراراً ایک ویران کنویں میں کود پڑا لیکن قبل اس کے کہ کنوئیں کی تہ تک پہنچتا، کنوئیں کی دیواروں سے اگی ہوئی گھاس پھونس میں ہاتھ ڈال کر لٹک گیا، جب اس کی نظر نیچے پڑی تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک اژدھا منہ کھولے اس کے گرنے کا منتظر ہے، اسی اثناء میں شیر بھی کنوئیں کے منہ پر پہنچ کر اندر جھانکنے لگا کہ کسی طرح بن پڑے تو اس کا کام تمام کردے، اتنے میں ایک سوراخ سے کچھ چوہے نکل آئے اور گھاس کے انہی ریشوں کو، جنہیں اس شخص نے پکڑ رکھا تھا اور جو اس کے لئے رگ جان کی حیثیت رکھتے تھے، دانتوں سے کترنے لگے، بیچارہ حیران تھا کہ کیا کرے اور کدھر جائے، نیچے گرتا ہے تو اژدھا نہیں چھوڑتا، باہر نکلتا ہے تو شیر موجود ہے، اسی سوچ میں تھا کہ اس کی نظر کنوئیں کی دیوار میں واقع شہد کے چھتے پر پڑی، سب کچھ فراموش کرکے شہد چاٹنے لگا، ابھی دو ایک دفعہ ہی شہد کی لذت سے محفوظ ہوا تھا کہ چوہوں نے گھاس کتر ڈالی، نیچے گرا اور لقمہ اجل ہوگیا' (٢٠)

---

(٢٠) یہ حکایت سب سے پہلے کلیہ و دمنا پہلوی بقلم برزویہ حکیم میں دکھائی دیتی ہے اس کتاب کا عربی ترجمہ جسے ابن المقفع نے انجام دیا یہ حکایت اس میں بھی موجود ہے (کلیہ ودمنہ ترجمہ ابن المقفع، بیروت، ١٩٢٢، ص ٢٣٨ - نصر اللہ غنی کے فارسی ترجمہ میں بھی جسے عرف عام میں کلیہ و دمنہ بہرام شاہی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ حکایت موجود ہے (طبع

ہماری مثال بھی* اسی قسم کی ہے، ہم بھی دنیا کے کنوئیں میں لٹک کر اس شخص کی طرح دینوی خواہشات کا شہد چاٹ رہے ہیں، قضاء شیر کی طرح ہمارے تعاقب میں ہے، روز و شب کے چوہے ہمارے رشتہ جان کو کتر رہے ہیں اور موت کا اژدھا منہ کھولے ہمارے گرنے کا منتظر ہے، کاش انسان کو اپنی مدت حیات معلوم ہوتی اور وہ جانتا کہ اسے کتنی مسافت طے کرنی ہے تاکہ وہ ان باتوں کو مد نظر رکھ کر اپنا لائحہ عمل ترتیب دیتا اور زندگی کی معلومہ مسافت کو خوش اسلوبی اور اچھے سلیقے سے بتدریج طے کرتا اور اس کے بعد ایک قسم کی فراغت حاصل کرکے کچھ عرصے کے لئے سکھ کا سانس لیتا لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ زندگی کی مدت کتنی اور اس مسافت کا بعد کس قدر ہے، ہر قدم اور ہر سانس پر خطر ہے اور یہ کہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ یہی آخری سانس نہ ہو یہی حال دنوں، ہفتوں اور مہینوں کا ہے، اگر بالفرض

تہران، ص ۱۰)۔ حدیقۃ الحقیقۃ (چاپ مدرس رضوی، تہران، ص ۴۰۸-۴۰۹) میں سنائی نے بھی اسے نظم کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

آن شنید ستی کہ در ولایت شام … رفتہ بودند اشتران بچرام
ستر مست در بیا با نی … کرد قصد ہلاک نا دا نی
مرد ناداں ز پیش اشتر جست … از پیش مید و بد اشتر مست
مرد در راہ خویش چا ہی دید … خویشتن را در آن پناہی دید
شتر آمد بنزد چہ نا گا ہ … مرد بفکند خویش را در چاہ
دستہارا بخار زد چوں ورد … پا بہا نیز در شکا فی کرد
در تہ چہ چو بنگر ید جوان … اژدہا دید باز کردہ دہان
دید از بعد محنت بسیار … زیر ہر پاشی خفتہ جفتی مار
دید یک بفت موش بر سر چاہ … آن سپید و کر چوقیر سیاہ
میبریدند بیخ خار بنا ن … تا در افتد بچاہ مرد جوان
دید در گوشہ ہای خار نحیف … اند کی زان تر جبیں لطیف
لذت آن بکرد مد ہوشش … مکر آن خوف شد فرا موشش
توئی آن مرد وجاہت دینی … چار طبعت بسان این افعی
آن دو موش سیہ سفید دژم … کہ برد بیخ خار بن در دم
شب و روز است آن سپید و سیاہ … بیخ عمر تو میکنند تباہ
بر سر چاہ نیز اشتر منت … اجل است ای ضعیف کوتہ دست
خار بن عمر تست، یعنی زیست … می ندانی تر لجبین تو چیست
شہو تست آن تر نجبین ای مرد … کہ ترا از دو کون غافل کرد

تفصیل کے لئے دیکھئے: امثال قرآن، علی اصغر حکمت، تہران، ۱۳۳۳، ص ۱۰-۱۸۔

ہم جانتے بھی ہوتے کہ مسافت حیات طویل ہے، تو کیا فائدہ ؟ جب اس جہاں سے گزر کر اگلے جہاں کو جانا ناگزیر ہے. تو نامعلوم اور دراز و کوتاہ سے کیا فرق پڑتا ہے !

چون قامت ما برای غرق است
کوتاه و دراز را چه فرق است ؟
اگر صد سال مانی در یکی روز
بباید رفت زین کاخ دل افروز
درین صندل سرای آبنوسی
گہی ماتم بود گاہی عروسی
چو بہر شادی و غم جائی روبند
بجائی سر بجائی پای کو بند

دنیا اور اسباب دنیا اگر ہمیشہ کے لئے ہوتے اور ان کے ہمراہ عیش، فراغ خاطر اور آسائش وقت ایسی چیزیں بھی مہیا ہوتیں، پھر انسان محبت مولیٰ اور شوق آخرت میں اس کے نہ ملنے پر صبر کرتا اور اس کی بے وقعت چیزوں کی طرف ملتفت نہ ہوتا تو کوئی بات بھی تھی لیکن اب جب کہ یہ بات یقینی ہے کہ دنیا اور اس کے اسباب سب کے سب فانی اور سراسر وحشت و کدورت اور محنت و مشقت کا باعث ہیں تو پھر اس کو ترک کردینا کونسی بڑی بات ہے کہ اس پر ناز کیا جائے، یا اس کے کھو جانے پر حسرت و افسوس کا اظہار کئے جائے، لیکن کیا کیا جائے اس شراب کی خاصیت ہی کچھ ایسی ہے کہ اس کے ہر گھونٹ سے حرص بڑھتی ہے اور ہر قطرے سے پیاس میں اضافہ ہوتا ہے ، پینے والے مست، اور گرد و پیش سے بے خبر ہوجاتے ہیں اور پھر نہ کسی کی نصیحت پر کان دھرتے ہیں اور نہ ہی عاقبت اندیشی سے کام لیتے ہیں، یہی نہیں بلکہ دنیا کی مستی اور حکمرانی کے غرور میں پیغمبری

اور خدائی کے دعوے کرنے سے بھی نہیں چوکتے، دور کیا جانا ہے فرعون ہی کو لے لیجئے کہ ملک مصر کا بادشاہ تھا — جس کی محدودیت کا انداز اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی ساری مسافت دس روز سے زیادہ نہ تھی — اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا، اللہ تعالیٰ کی ہستی سے غافل اس شخص نے اتنا بھی نہ جانا کہ رب جلیل تو آسمان و زمین کا خالق ہے، جب کہ خود اس نے مٹی کا ایک ڈھیلا یا مکھی بھی پیدا نہیں کی، پھر اس کے دعویٰ الوھیت کی حقیقت کیا ہے ؟ وہ دیوانہ بھی۔تو نہ تھا کہ اس کے دعوی خدائی کو اس کی دیوانگی پر محمول کیا جاسکے، اگر دیوانہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ حضرت موسی علیہ السلام کو اس کی ھدایت کے لئے کیوں مبعوث فرماتا ؟ — انبیاء صلوۃ اللہ وسلامہ علیہم کی دعوت و ھدایت عقلاء کے لئے تھی نہ کہ مجانین کے واسطے — یہ دیوانگی نہ تھی بلکہ ملک و سلطنت دنیا اور اس کے اسباب کا غرور اور مستی تھی کہ باوجود عاقل ہونے کے بیوقوفوں ایسے کام کرتا تھا۔ کارکنان قضا و قدر بعض لوگوں سے فہم و تمیز کی صلاحیت سلب کرکے، غرور و حماقت کو ان کی سرشت میں شامل کردیتے ھیں، چنانچہ ایسے لوگ عقل عزیزی کے ہوتے ہوئے بھی دیوالوں ایسے کام اور بیوقوفوں ایسی حرکات کرتے ھیں، یہ لوگ در حقیقت دیوانے نہیں بلکہ ”دیوانہ صفت“ ہوتے ھیں ۔

کوئی اٹھ کر پیغمبری کا دعوی کردیتا ہے حالانکہ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ پیغمبری کہتے کس کو ھیں ؟ پیغمبری سے مراد خداوند تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے درمیان ایلچی گری ہوتا ہے، وہ اللہ کی ذات سے اکتساب فیض کرتا ہے اور پھر اس فیض کو مخلوق تک پہنچاتا ہے، شروع عمر سے لے کر آخر وقت تک گناھوں سے معصوم ہوتا ہے، اس کی رسائی عالم قدس و ملکوت تک ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آکر پیغام حق اس تک پہنچاتا ہے: اس کی ذات معجزات کا مصدر ہوتی ہے — زمین و آسمان میں تصرف، انگشت

کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے اور انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کرتا ہے، درخت اس کے روبرو سجدہ ریز ہوتے ہیں اور سنگ و گیاہ اس پر سلام بھیجتے ہیں، اس کے پاس ایک ایسی کتاب ہوتی ہے کہ اگر جن وانس سب جمع ہوجائیں تو بھی اس کی ایک آیت کی نظیر پیدا نہیں کر سکتے اور اگر تمام دانش مند اور عالم اس کی تفسیر کرنا چاہیں تو وہ اس کام سے کما حقہ ہو عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، پیغمبر اپنے ساتھ ایک شریعت لاتا ہے اور علم و ایمان کی تجلیوں سے عالم کو منور کرکے کافروں کو کفر اور جاہلوں کو جہل کی تاریکیوں سے باہر نکالتا ہے، مرکز ہدایت سے جو لوگ دور ہوتے ہیں انہیں نزدیک کرتا ہے اور بھٹکے ہوؤں کو راہ راست پر لاتا ہے، پیغمبر ظاہری و باطنی خوبیوں اور صورت و سیرت کے لحاظ سے ساری مخلوق سے افضل ہوتا ہے، کوئی شخص کسی بھی خوبی میں اس کا مقابل نہیں ہو سکتا، ہر پیغمبر ایک امت رکھتا ہے جو صلاح و فلاح سے آراستہ اور اپنے پیغمبر کی محبت اور اس پر اعتقاد کے زیور سے مزین ہوتی ہے، پیغمبر کے اصحاب علم و عمل، زہد و تقوی اور نورانیت کے لحاظ سے سب سے آگے اور سب پر فائق ہوتے ہیں وہ پیغمبر کی متابعت کرکے کمالات کے جامع اور خوارق و کرامات کے مظہر بن جاتے ہیں، ان سب باتوں سے روشن ہوا کہ پیغمبری محض دعوی کر دینے، رعب و دبدبے سے اسے منوالینے، یا حکومت کے شکوہ و جلال کے اظہار کا نام نہیں (پیغمبری نہ مجرد دعوی و غلبہ و سلطنت و شوکت است)، رہی امت تو اس کے بارے میں مزید کیا کہا جاسکتا ہے، نعوذ باللہ من الغباوۃ والغوایۃ ؛

انسان تین چیزوں — نفس، قلب اور روح — سے عبارت ہے، جبلت نفس اسی عالم کون و فساد سے ہے اور یہی جسمانی و حسی لذائذ اس کا کمال ہیں، نفس ایک ارضی و ظلماتی شے ہے اور اس کا شمار اجزائے بدن میں ہوتا ہے مختصر

یہ کہ دوسرے اجزائے بدن کے مقابلے میں اس میں اس قدر لطافت و نورانیت ضرور ہے کہ محسوسات میں سے بعض چیزیں درک کرسکتا ہے، حواس خمسہ سمع و بصر و شم و ذوق و لمس، — کا مادہ یہی ہے، نفس کو عقلی و روحانی لذائذ سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا اور یہی نفس ہے جس کی بدولت انسان اس عالم کی الجھنوں میں گرفتار ہوتا ہے، اس کے برعکس روح ایک ''لطیف و نورانی محض،، شے ہے جس کا تعلق عالم بالا سے ہے چنانچہ اس کی توجہ بھی بھی ہمیشہ عالم قدس ہی کی طرف ہوتی ہے، اس کو علم و عرفان اور محبت مولیٰ میں لذت ملتی ہے، اللہ تعالی کی ذات اور اس کی صفات کی پہچان کی سعادت بھی اس کو ملی ہے، اس کو بدن کے ساتھ جو تعلق ہے اور نفس کے ساتھ جو اختلاط و ازدواج حاصل ہے اس کے باعث عشق و محبت نفس میں الجھ کر رہ جاتی ہے اور گوہر مقصود گنوا بیٹھتی ہے، کہتے ہیں کہ روح و نفس کا بہمدیگر میاں بیوی کا سا تعلق ہے چنانچہ ''لطیفہ قلبیہ،، ان دونوں کے ملاپ سے وجود میں آیا، قلب ''متقلب،، واقع ہوا ہے، روح و نفس میں سے اگر روح پر احکام روحانی غالب ہوجائیں اور نفس و قلب اس کے تابع ہوجائیں — کہ ایسا بہت کم ہوتا ہے — تو ''خیر و صلاح،، وجود میں آتے ہیں، اس کے برعکس اگر نفس غالب آجائے اور روح و قلب اس کے تابع ہوجائیں تو شر اور فساد کی بلائیں سر اٹھا لیتی ہیں، یہ ایک مشہور اور عام فہم بات ہے اور اپنی جگہ پر مفصل بیان ہوئی ہیں، یہاں اس کے ذکر سے یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ انسان ہمیشہ تذبذب اور کشمکش میں مبتلا رہتا ہے، عقل اسے ایک طرف کھینچتی ہے تو ہوا و ہوس دوسری طرف لے جاتے ہیں نتیجہ اس کا یہ ہے کہ وہ بیشمار مصائب و شداید میں گرفتار ہوجاتا ہے، یہ مصائب و شداید تو اس عالم کے ہیں جنہوں نے اسے پریشان کر رکھا ہے اگر اس عالم کے حالات اور وہاں کی مصیبتوں کے بارے میں سوچے تو ان کے تصور ہی سے

هوش و حواس کھو بیٹھے اور اس کا ذهن پاش پاش هوجائے، حدیث شریف میں آیا ھے : لو تعلمون ما اعلم لضحکتم قلیلاً و لبکیتم کثیراً (۲۱) که مبداء و معاد اور آخرت کے بارے میں جو کچھ میں جانتا هوں — ''که چها رفته است و چها پیش آمدنیست،، — اگر تم بھی جان لو تو هنسو گے کم اور گریهزاری زیاده کروگے، رب جلیل نے ان احوال کو مصلحتاً پردهٔ غیب میں چھپا رکھا ھے، انسان جو کچھ دیکھتا ھے یا محسوس کرتا ھے اس کی حقیقت عالم ظاهر سے ظاهر سے زیاده کچھ نہیں چنانچه لوگوں نے دھوکا کھایا اور گوهر مراد کھو بیٹھے، قرآن کریم میں ارشاد هوتا ھے : یعلمون ظاهراً من الحیوة الدنیا وهم عن الاٰخرة هم غافلون(۲۲) مخبران صادق یعنی انبیائے کرام صلوة الله و سلامه علیهم اجمعین عالم آخرت کی خبریں هم تک پہنچاتے اور انوار علم و هدایت سے جہاں کو مستنیر کرتے هیں لیکن نفس و طبیعت کے اندھیرے میں کھوئے هوئے لوگ ان کی طرف متوجه نہیں هوتے، مرنے کے بعد حقیقت حال خود بخود کھل جائے گی۔

باش تا پرده بر اندازد جہاں از روی کار
آنچه امشب کرده ای فردات گردد آشکار

الناس نیام فاذا ماتوا انتبهو،(۲۳) لوگ غفلت کی نیند سورھے هیں مرنے کے بعد حقیقت کو دیکھیں گے اور ان کی آنکھیں کھلیں گی۔

خلق تا در جہاں اسبابند　　　همه در کشتی اندر درخوابند

لا اله الاالله محمد رسول الله اس وقت اگر یه کہیں گے که 'اب کیا کریں اور کدھر جائیں، تو یه بات دنیا میں ان کے عمل کی نقیض هوگی'

---

(۲۱) یه حدیث مسند احمد حنبل، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی اور ابن ماجه کے حوالے سے جامع الصغیر (جلد ۲، ص ۱۳۰) میں نقل هوئی ہے۔ ملاحظه هو: تعلیمات صدیقه الحقیقة۔ جمع و تالیف مدرس رضوی، تہران، ص ۲٦٨ -

(۲۲) ۳۰ سورهٔ روم : آیه هفتم -

(۲۳) زهر الاداب طبع مصر، ج ۳، ص ۹۸ کے مطابق حدیث نبوی ہے۔ شرح تعرف ج ۱ ، ص ٦٠ میں اسے حضرت علی سے منسوب کیا گیا ہے۔ ملاحظه هو: احادیث مثنوی بجمع و تدوین بدیع الزمان فروز انفر، تہران ۱۳۳۴ ش، ص ۸۱ -

بعض لوگ ترک دنیا، خلق خدا سے علیحدگی اور طبیعت و نفس کی مخالفت کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں، معترضین کے نزدیک یہ ایک ناممکن کام ہے چونکہ انسان جب تک زندہ ہے دنیا اور اس کے اسباب کے ساتھ اس کا تعلق ناگزیر ہے، خلق خدا سے علیحدگی، آسائش طبع اور قید نفس سے چھٹکارا بھی اس کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کے برعکس ان کے نزدیک دنیوی زندگی اور اس عالم کے انتظام و انصرام کا دارو مدار ہی ان باتوں پر ہے، جواب اس کا یہ ہے کہ جب تک کسی بات پر اچھی طرح غور نہ کیا جائے اور اس کی تہ تک نہ جایا جائے وہ سمجھ میں نہیں آتی بلکہ حیرت و سراسیمگی پیدا کرتی ہے، جب ترک دنیا، خلقت سے کنارہ گیری اور نفس و طبیعت کی مخالفت کو کہا جاتا ہے تو مقصود یہ ہوتا ہے کہ جو امور خلاف حق ہوں ان سے اجتناب کرنا چاہئیے اور راہ راست سے منحرف نہیں ہونا چاہئیے بالفاظ دیگر دین و شریعت کے دکھائے ہوئے راستے پر چلنا چاہئیے، اس طرح اگر بظاہر خلقت کے ساتھ ہوں گے تو باطناً حق تعالیٰ کے ساتھ ہوں گے، صورت کے لحاظ سے دنیا میں لیکن معنی کے اعتبار سے تارک الدنیا سمجھے جائیں گے چونکہ اس طرح چاہے نفس کے مطابق ہی عمل کیا جائے، در حقیقت وہ نفس کی مخالفت ہی ہوگی، محققین کی رائے ہے کہ مقصود اصلی موافقت حق ہے نہ کہ مخالفت نفس یعنی سالک جو نفس کی مخالفت کرتے ہیں یا اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کرتے ہیں تو ان کا مقصد نفس کو موافق حق بنانا ہوتا ہے اور ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ نفس راہ راست پر آجائے پس اگر وہ خودبخود راہ راست پر چلے تو اس کی مخالفت بے معنی بات ہوگی۔

فقراء ہوں یا اغنیاء، امراء ہوں یا رعایا، سالک ہوں یا سلوک، خادم ہوں یا مخدوم علی ھذالقیاس ہر گروہ کے لئے ایک خاص راہ و روش معین ہے، فقراء کو صبر، اغنیاء کو شکر، امراء کو عدل، رعایا کو فرمانبرداری، سالکوں کو رحم، سلوکوں کو خدمت، خادموں کو ادب اور مخدومین کو عنایت و

ازش کی پابندی کرنی چاہئیے، مختصر یہ کہ ہر جماعت کو اپنے اپنے راستے
۔ چلنا چاہئیے اور بندگی و انصاف کے طریقے پر عمل پیرا ہوکر بارگاہ خداوندی
قرب حاصل کرنا چاہئیے اسی لئے کہا گیا ہے ہر گروہ کا پیشہ اس کا "سلوک"
ی ہے، یعنی کسی گروہ کا پیشہ کچھ بھی ہو اگر وہ اس پیشے کے قواعد و
وابط اور آداب کا لحاظ رکھے اور صحیح راستے پر چلے تو سالک کہلائے گا،
ریعت اسلامیہ کی اساس بھی یہی اصول ہے، سرور کائنات سید رسل صلوۃ اللہ
ـلامہ علیہ نے کسی شخص کو اس کے پیشے کی پیروی سے نہیں روکا، مزارعین
ٔو زراعت میں، تاجروں کو تجارت میں، شادی شدہ لوگوں کو اہل و عیال
یں، غیر شادی شدہ لوگوں کو ترک و تجرید میں، اغنیاء کو مال و منال میں
ر فقراء کو فقر و فاقے میں مگن رہنے دیا لیکن ہر جماعت کے لئے ایک
ستور العمل وضع کردیا کہ اس پر عمل کرے اور جادہ اعتدال سے منحرف
، ہو، نبی کریمؐ نے اگر کسی شخص سے کوئی چیز چھڑائی تو وہ کفر و
اصی کی زندگی تھی، باقی سب لوگ آزاد تھے جو پیشہ چاہیں اختیار کریں۔

سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ احکام شریعت پر عمل کیا جائے، اعتقاد
سلمانی ہو اور اس بات پر ایمان لایا جائے کہ ہر عمل کا اجر ہے اور ہر جماعت
ٔو اس کے اعمال کی جزا ملے گی، نیک کام کا انجام نیک اور برے کام کا انجام
ا ہوگا، فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ و من یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ(۲۴)،
لاصہ کلام یہ کہ کچھ لوگ اپنے اعمال کی جزائے خیر دنیا ہی میں طلب
ٔرتے ہیں اور آخرت سے غفلت برتتے ہیں ان کے برعکس بعض لوگوں کا مطمح
ٔر جزائے آخرت ہوتی ہے اور وہ اس دنیا کے امور کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے،
ٔوئی شخص کوئی بھی مشروع کام اللہ تعالی کی ذات کے لئے کرے اسے دنیا بھی
ٔ جاتی ہے اور آخرت بھی فعند اللہ ثواب الدنیا والاخرۃ (۲۵) انجام بخیر ہو

---

۲) ۹۹ سورۂ زلزال : آیہ ہفتم و ہشتم۔

۲) ۴ سورۂ نساء : آیہ ۱۳۴ -